ثقافت
رئیس احمد جعفری (ندوی)

آغا خاں

آغا خاں بڑی دل آویز اور سحر طراز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی امارت کے افسانے زبان زد خاص و عام ہیں، ان کی قیادت کے کارنامے مسلمانانِ ہندو پاکستان کی تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب ہیں، ان کی مجلس آرائیوں شیوا بیانیوں اور خوش ادائیوں کا چرچا بزم و انجمن کا ایک دلچسپ موضوع ہے، ان کی خوش باشی اور نشاط اندوزی اپنی مثال آپ تھی، وہ لندن کے مکین، پیرس کے شہری، سوئٹزرلینڈ کے متوطن تھے، لندن میں ملکہ وکٹوریہ سے لے کر ملکہ ایلزبیتھ تک ان کے عزیزانہ تعلقات رہے، پیرس کی اونچی سوسائٹیوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے رہے، جینوا میں وہ مجلس اقوام کے صدر کی حیثیت سے بڑے دبدبہ کی زندگی بسر کرتے رہے، لیکن وہ ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اسلام کی سربلندی اور مسلمانانِ ہندو پاکستان کی فلاح و بہبود کی فکر سے غافل نہیں رہے، عقائد کے اعتبار سے وہ عام مسلمانوں سے بعید ترین علاقہ رکھتے تھے، لیکن جذباتی اعتبار سے وہ عام مسلمانوں کی ملی انفرادیت پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار رہتے تھے، ان کے مذہبی عقائد اور سیاسی افکار و خیالات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن عامۂ مسلمین کے ساتھ ان کا خلوص، ان کی بے لوثی، ان کا جذبۂ خدمت شک و شبہ سے بالا ہے۔

متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جب ہندو استیلا سے پریشان ہو کر جداگانہ انتخاب کی ضرورت محسوس کی، تو آغا خاں اس تحریک اور اس مطالبہ میں پیش پیش تھے۔ مسلمانوں نے اپنی قومی اور ملی انفرادیت کے حفظ و بقا اور اپنے حقوق و تحفظ کے لئے ایک مستقل اور جداگانہ سیاسی ادارے کی ضرورت محسوس کی، تو مسلم لیگ کے بانیوں میں آغا خاں کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ ایم۔ اے۔ او کالج کو جب مسلم یونیورسٹی بنانے کی تحریک شروع ہوئی اور حکومت ہند نے یہ طعنہ دیا کہ یونیورسٹی چلانے کے لئے تمہارے پاس روپیہ کہاں ہے؟ تو آغا خاں کی غیرت ملی جوش میں آئی، انہوں نے مولانا شوکت علی کو ساتھ لیا، خود ایک رقم خطیر چندہ میں دی، گلے میں جھولی ڈالی، اور ہندوستان کے طول و عرض میں اپنی قوم اور ملت کے لئے بھیک مانگنے نکل کھڑے ہوئے، اور حسب ضرورت رقم فراہم کر کے دم لیا، تحریک خلافت میں اپنے مذہبی عقائد کے باعث وہ کوئی عملی حصہ نہ لے سکے، لیکن وفدِ خلافت کو یورپ میں انہوں نے جو بیش بہا مالی اور اخلاقی امداد دی، اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ نہرو رپورٹ میں جب مسلمانوں کے حقوق پر چھاپہ مارنے کی کوشش کی گئی، تو وہ آغا خاں تھے جنہوں نے مسلم کانفرنس قائم کی، مختلف الخیال مسلمانوں کو مجتمع کیا، اور ایک متحدہ اور مشترکہ محاذ کانگرس اور برطانوی پالیسی کے

خلاف قائم کیا۔ پھر ۱۹۳۱-۳۲ء کی گول میز کانفرنس میں اُنہوں نے مسلمانوں کی ملّی انفرادیت اور اس کے تحفظ کے لئے جو شاندار جد و جہد کی، ساتھ ہی ساتھ مشترک (مفاد) معاملات و مسائل میں جس عالی حوصلگی اور بلند نظری کا ثبوت دیا اس کی ثنا و صفت اگر ریمزے میکڈانلڈ نے کی، تو گاندھی جی اور سروجنی دیوی بھی اس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

آغا خاں کی قومی اور بین الاقوامی حیثیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس مضمون میں ان کی اس حیثیت سے قطع نظر کر کے ان کی ذہانت، نکتہ سنجی، حاضر جوابی، اور جذبۂ ملّی سے متعلق چند واقعات پیش کروں گا، جو اب تک کسی توصیفی یا تعزیتی مضمون میں نظر سے نہیں گزرے۔

۱۔ جذبۂ ملّی

پہلے وفد خلافت (لندن) کے ایک رکن شیخ مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لا بیان کیا کرتے تھے کہ گو مذہبی حیثیت سے آغا خاں کو مسئلہ خلافت سے کوئی تعلق نہ تھا مگر وہ اکثر ہمارے ہوٹل تشریف لایا کرتے تھے اور بہت مفید و صائب مشورے دیا کرتے تھے، صرف یہی نہیں وفد کی مالی امداد بھی بغیر کسی تشہیر و اعلان کے اُنہوں نے دل کھول کر کی، کئی دفعہ ایسا ہُوا وہ آئے، بیٹھے، باتیں کیں اور جاتے وقت نوٹوں کی گڈّیاں جیب سے نکالیں اور چُپ چاپ رکھ کر چلے گئے۔

شیخ مشیر حسین مرحوم، شیخ صادق حسن ٹائپ کے آدمی تھے، یعنی :

جو دل میں وہ زبان پر، اللہ جانتا ہے

وہ لگی لپٹی رکھنے کے قائل نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی، علی برادران، خلافت، کانگرس، ہر جگہ اور ہر ایک سے وابستہ رہے، لیکن جب کوئی بات بُری لگی، کھری کھری سُنائی اور الگ ہو گئے، لیکن آغا خاں کے جذبۂ ملّی کے ہمیشہ مداح اور ثنا خواں رہے۔

۲۔ ایک ہزار کا نوٹ

آغا خاں میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ فکری اور سیاسی اختلافات کو ذاتی تعلقات کے راستہ میں حائل نہیں ہونے دیتے تھے، مولانا شوکت علی اور آغا خاں کبھی ہم آہنگ نہ ہو سکے، دونوں کا راستہ جُدا تھا اور شاید منزل بھی الگ تھی، با ایں ہمہ وہ شوکت علی کے خلوص کو دل سے مانتے تھے، شوکت کی وفات کے بعد اُنہوں نے انگریزی میں اپنی خود نوشت لکھی، اور اس میں بڑی صفائی کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ مسلم یونیورسٹی فنڈ کے سلسلہ میں میرا ہندوستان گیر دورہ صرف اس لئے کامیاب رہا کہ مجھے شوکت کا تعاون حاصل تھا، اس دورہ کی ساری کامیابی شوکت کی کامیابی تھی آغا خاں کا یہ اعتراف شوکت کے مرنے اور اس کے بُھلائے جا چکنے کے باوجود ان کی برطائی کی دلیل ہے، آغا خاں جب بمبئی آتے، شوکت صاحب سے ضرور ملتے، اور اس طرح کی ہر ملاقات میں زیر لب تبسم کے ساتھ بغیر کچھ کہے سُنے ایک ہزار کا ایک نوٹ چپکے سے مولانا کی جیب میں رکھ دیتے۔ اس کے علاوہ بھی مجلس خلافت کو جب مالی مشکلات پیش آتیں، شوکت صاحب

آغا خاں سے رجوع کرتے اور وہ کبھی ان کی بات نہ ٹالتے، مجھے یاد ہے ایک مرتبہ آغا خاں مستقل ماہوار امداد دینے پر بھی تیار ہو گئے تھے، لیکن یہ تجویز خود شوکت صاحب نے پسند نہیں کی۔

۴۔ فیصلہ کُن بات

شیعہ سُنّی اختلافات اور ہنگامہ آرائیوں کے زمانہ میں ایک مرتبہ آغا خاں نے ایک بیان شائع کیا۔ اور وحدت ملی پر بہت زیادہ زور دیا۔ اس بیان میں ایک بڑی فیصلہ کن اور پتہ کی بات کہی، اُنہوں نے فرمایا:

"یہ سارا جھگڑا میری سمجھ میں نہیں آتا، حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت تسلیم کرلی، ان کے ساتھ تعاون کیا، انہیں مشورے دئے، ان کی اُلجھنوں کو حل کرنے میں حصّہ لیا۔ کبھی ان سے جھگڑا نہیں کیا۔ پھر کسی دوسرے شخص کو ان کی طرف سے خلافت کے سلسلہ میں لڑنے جھگڑنے کا کیا حق ہے؟

یاد رکھئے یہ بات وہ کہہ رہا ہے جو نہ صرف شیعہ ہے، بلکہ شیعوں میں سب سے زیادہ عالی فرقہ کا "امام حاضر" ہے، اور یہ بات کسی پرائیویٹ مجمع میں نہیں کہتا، علی الاعلان پبلک بیان میں کہتا ہے، کیا یہ کوئی معمولی بات ہے؟ کیا اس میں عظمت نہیں جھلکتی؟

۵۔ انسان اور جانور

آغا خاں ایک مرتبہ گاندھی جی سے ملنے احمد آباد (سابرمتی آشرم) تشریف لے گئے، گاندھی جی کی کُٹیا سے جب باہر نکلے تو نمایندگانِ پریس نے گھیر لیا اور لگے طرح طرح کے سوالات کرنے، آغا خاں سیاست، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کے فن میں بھی "امام حاضر" کا درجہ رکھتے تھے، اُنہوں نے سارے سوالات چٹکیوں میں اُڑا دئے۔ ٹائمز آف انڈیا، یا بمبئی کرانیکل کے نمایندے نے پوچھا:

"کیا واقعی آپ کے پیرو اور مرید آپ کی پُوجا کرتے ہیں؟"

آغا خاں نے پوچھا:

"اگر یہ واقعہ ہو تو کیا آپ کو تعجب ہے؟"

نمایندے نے کہا:

"ہونا ہی چاہئے!"

آغا خاں نے تڑ سے سوال کیا:

"آپ کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایک آدمی یعنی میری پوجا کرتے ہیں، لیکن اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ

کروڑوں لوگ اس ملک میں جانوروں کی پرستش کرتے ہیں؟ ـــــ آدمی کو جانور پر تو بہرحال ترجیح ہونی چاہئے؟
سناٹا چھا گیا، آغا خاں مسکراتے ہوئے اپنی کار میں بیٹھ گئے، اور یہ جا وہ جا!

۶۔ ایک پوری قوم کا صفایا کس نے کیا تھا؟

تقسیم ہند سے کچھ پہلے یا شاید فوراً بعد، بڑے زور شور سے یہ پروپیگنڈا شروع کیا گیا کہ پاکستان جیسی اسلامی حکومت میں غیر مسلم زندہ نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ مسلمان اقلیتوں کے ساتھ ایک مسلمان کی حیثیت سے اچھا برتاؤ کر ہی نہیں سکتے۔ یورپ کے اخبارات میں بھی پبلسٹی خوب ہوئی۔ آغا خاں اس زمانہ میں لندن میں مقیم تھے، انہوں نے غالباً اسپکٹیٹر میں ایک مضمون شائع کرایا، جس کا موضوع مسلمانوں کی رواداری تھا۔ اس میں تاریخ ماضی و حال کے اوراق اُلٹتے ہوئے انہوں نے ثابت کیا تھا کہ ہر دور میں مسلمانوں نے اقلیتوں اور غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فراخ دلانہ اور روادارانہ برتاؤ کیا۔ پھر کیا دنیا کی تاریخ ایسی کوئی مثال پیش کرسکتی ہے کہ حکمران قوم نے مذہبی اختلاف کی بناء پر، ایک پوری قوم کا صفایا کردیا ہو؟ میں یاد دلانا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ ایک غیر فانی مثال تو بہرحال موجود ہے ـــــ اسپین میں رہنے والی پوری مسلمان قوم کا صرف اس جرم میں صفایا کر دیا گیا کہ اس کا مذہب اسلام کیوں تھا؟ کیا مسلمانوں کی تاریخ میں بھی اس طرح کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

۷۔ پونہ کا آغا خاں پیلس

آغا خاں کی املاک و جائدادیں تو ساری دنیا میں بکھری ہوئی ہے، لیکن اس کا بہت بڑا حصہ بمبئی میں، اور کافی حصہ پونہ میں ہے۔ صرف بمبئی کی عمارتوں کا کرایہ ۳۰۔۳۵ ہزار روپیہ یومیہ سے زائد ہے۔ بمبئی میں مالا بار ہل پر ایک شاندار ذاتی بنگلہ ہے، جہاں یورپ سے آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ پونہ میں شہر سے ذرا ہٹ کر ایک پُرفضا مقام پر نہایت شاندار محل انہوں نے تعمیر کیا تھا جو عہد جدید کے کسی بھی بادشاہ یا شہنشاہ کے لئے مایۂ فخر ہوسکتا ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے زمانہ میں حکومت نے اسے "ایمرجنسی لا" کے ماتحت آغا خاں کی خلاف مرضی کرایہ پر لے لیا تھا۔ پھر جب "ہندوستان خالی کردو" کا نعرہ لگانے کے جرم میں کانگریسی رہنما اور گاندھی جی گرفتار ہوئے، تو دوسرے لیڈر تو احمد نگر کے قلعہ میں قید کئے گئے، مگر گاندھی جی، ان کی اہلیہ کستوربا، اور سکریٹری مہادیو ڈیسائی کو آغا خاں پیلس میں نظربند کر دیا گیا، اتفاق کی بات گاندھی جی کی بیوی اور سکریٹری کا حرکتِ قلب بند ہوجانے کے باعث نظربندی کی حالت میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے انتقال ہوگیا، حکومت نے مصلحت کے ماتحت دونوں کو وہیں آغا خاں پیلس میں دفن کردیا۔

کچھ عرصہ بعد ہندوستان آزاد ہوا، آغا خاں حسب معمول دورے پر بمبئی تشریف لائے، کانگریسی اور نیم کانگریسی اخبارات نے بڑے زور شور سے تحریک شروع کی کہ کستوربا اور ڈیسائی کی قبروں کے باعث آغا خاں پیلس کو قومی تقدس حاصل ہوگیا ہے لہذا اسے نیشنل میوزیم بنادیا جائے۔ دبی زبان سے بعض اخبارات نے تحریک کی کہ آغا خاں پیلس

قومی سرمایہ سے خرید لیا جائے۔ زور شور سے یہ مطالبہ ہؤا کہ آغا خاں خود رضا کارانہ طور پر اپنا یہ محل قوم کو بخش دیں۔ لیکن آغا خاں مہر بہ لب رہے۔ آخر ایک روز نمایندگانِ پریس نے گھیر لیا، اور یہ چبھتا ہؤا سوال کیا:

"آپ اپنا محل کانگرس کے ہاتھ فروخت کرینگے یا عطیہ کے طور پر دینگے؟"

آغا خاں نے تیوری چڑھا کر پوچھا:

"آپ یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟"

ایک اخباری رپورٹر نے جواب دیا:

"تجویز یہ ہے کہ اسے نیشنل میوزیم بنا دیا جائے"

آغا خاں نے فیصلہ کُن لہجہ میں کہا:

"میں اپنے گھر کو اپنا گھر ہی رکھنا چاہتا ہوں، نیشنل میوزیم نہیں بنانا چاہتا، لہٰذا نہ اسے فروخت کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ بطور عطیہ دینے کا!"

اس صاف جواب سے سب پر اوس پڑ گئی۔ اور وہ تحریک جو بڑے زور شور سے اُٹھی، جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

۸۔ قومیت کی تبدیلی

آغا خاں کی دور بیں نظروں نے تقسیم ہند سے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ کانگرس کی افتادِ مزاج کیا ہے، اور یہ "سیکولر" ہونے کے باوجود مسلمانوں کو کس کس طرح ستائے گی۔ وہ خود چونکہ ہمیشہ کانگرس کے حریف رہے تھے، اور پاکستان کی تحریک کے یومِ آغاز سے حامی اور مؤید رہے تھے، لہٰذا انہیں پورا اندازہ تھا کہ کانگرس کے دورِ حکومت میں انہیں کس کس طرح ہدفِ ستم بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ تقسیم ہند کے فوراً بعد اُنہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ ایرانی قومیت اختیار کر لی۔ ان کا یہ اقدام کیسی دور اندیشی پر مبنی تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب وہ دہلی سے یورپ واپس جانے لگے تو ہوائی اڈے پر کسٹم والوں نے جواہرات کا وہ صندوقچہ ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دی جو ان کی بیوی کے ہاتھ میں تھا۔ آغا خاں نے فوراً ایرانی سفارت خانہ کو فون کے ذریعہ صورتِ حال کی اطلاع دی۔ ایران کے سفیر نے پنڈت نہرو کو جھنجوڑا۔ پنڈت نہرو نے فوراً ہدایت جاری کی کہ آغا خاں کو اپنے جواہرات ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے۔ صندوقچہ واپس مل گیا، اور کسٹم والے مُنہ دیکھتے رہ گئے!

۹۔ آغا خاں کی قرآنی بصیرت

قائدِ اعظم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد آغا خاں پہلی مرتبہ پاکستان تشریف لائے۔ یہاں اُنہوں نے کئی لاکھ روپیہ حکومت کو مختلف مدات کے سلسلہ میں عطیہ کے طور پر دیا۔ اپنے فرقہ کے سرمایہ داروں سے تحکّم آمیز لب و لہجہ میں (اپنی افتادِ طبع کے بالکل خلاف) اصرار کیا کہ وہ مغربی اور مشرقی پاکستان کی صنعتوں اور کاروبار میں بغیر کسی اندیشہ کے

روپیہ لگائیں۔

کوئی بڑا آدمی کراچی آئے اور قائدِ اعظم کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے نہ جائے؛ شاید اب اس حقیقت کا اظہار غیر مناسب نہ ہو کہ آغا خاں اور قائدِ اعظم کے تعلقات شگفتہ نہ تھے۔ قائدِ اعظم نے ایک سیاست دان کی حیثیت سے آغا خاں کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن آغا خاں قائدِ اعظم کے خلوص، سیاسی بصیرت، اور جذبۂ ملّی کے ہمیشہ دل سے معترف رہے۔ اُنہوں نے مسلم کانفرنس (۱۹۳۰ء) کی تجویز میں قائدِ اعظم کے گیارہ نکات شامل کرلئے۔ اُنہوں نے پاکستان کی تحریک کا خیر مقدم کیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں جب شیعہ کانفرنس نے حسین بھائی لال جی کو قائدِ اعظم کے مقابلہ میں اسمبلی کا اُمیدوار منتخب کیا، تو اُنہوں نے بمبئی کے خوجوں میں یہ تحریک چلائی کہ آغا خاں، قائدِ اعظم کے بجائے "شیعہ" اُمیدوار لال جی کے حامی ہیں۔ بمبئی کے مشہور خوجہ لیڈر حبیب ابراہیم رحمت اللہ (سابق گورنر پنجاب) نے فون پر آغا خاں کو جو آگرہ کی سیر کر رہے تھے، اس صورتِ حال سے مطلع کیا۔ آغا خاں نے نہایت اضطراب کے ساتھ اس افواہ کی تردید کی اور قائدِ اعظم کی حمایت کا اعلان کیا۔

اس پسِ منظر کو پیشِ نظر رکھ کر اب دیکھئے آغا خاں قائدِ اعظم کے مزار پر پھولوں کی چادر لے کر پہنچتے ہیں، مزار کے قریب ایک چھوٹا سا بورڈ لگا ہوا ہے جس پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی منتخب کردہ آیت جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے:

اذا جاء نصر اللہ والفتح

آغا خاں نے بورڈ دیکھا اور بڑی بے ساختگی کے ساتھ کہا، اس جگہ تو یہ آیت ہونی چاہئے تھی:

انا فتحنا لك فتحا مبينا

آغا خاں کی غیر معمولی قرآنی بصیرت اور ساتھ ہی ساتھ قائدِ اعظم سے والہانہ ربط و تعلق کا ان چند الفاظ سے کتنا واشگاف اظہار ہو رہا ہے ——؟

آغا خاں کی یہی باتیں تھیں جنہوں نے انہیں ایک عظیم و جلیل انسان بنا دیا تھا وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کے نقوش بہت دنوں تک قائم اور باقی رہیں گے!:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی